ڈاکٹر سید تقی عابدی: پیہم موجِ امکانی میں

پروفیسر صادق، شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی

بیسویں صدی میں اردو تحقیق نے جتنی ترقی کی وہ حیرت انگیز ہے اور قابلِ قدر و تحسین بھی کہ اس صدی میں ایک سے بڑھ کر ایک ایسے محقق سامنے آتے رہے جنھوں نے اپنے خونِ جگر سے اس چمن کی آبیاری کی اور اسے قابلِ رشک بنا دیا۔ مولوی عبدالحق، حافظ محمود شیرانی، امتیاز علی عرشی، مسعود حسن رضوی ادیب، قاضی عبدالودود، نصیر الدین ہاشمی، محی الدین زور، مالک رام، مختار الدین احمد آرزو، گیان چند جین، نثار احمد فاروقی، رشید حسن خاں اور تنویر احمد علوی وغیرہ کس کس کا نام لیا جائے کہ ان سب نے اپنی خداداد ذہانت وصلاحیت کی بنیاد پر اپنی افتادِ طبع اور دلچسپی کے مطابق اپنے اپنے میدانوں میں ناقابلِ فراموش کارنامے سرانجام دے کر تاریخ ادب اردو کے کئی تاریک گوشے روشن کردئے۔ لیکن یہ بھی ہوا کہ پرانے بادہ کش جتنی تیزی سے اٹھتے چلے جاتے ہیں ان کی خالی جگہیں پُر کرنے کے لیے اسی مناسبت سے نئے لوگ سامنے نہیں آرہے ہیں۔ یوں تو برصغیر کی کئی یونیورسٹیوں میں اہم تحقیقی کام ہوتے رہے ہیں نئے نئے موضوعات پر کئی اہم مقالے بھی لکھے جاتے رہے ہیں۔ تاہم رفتارِ تحقیق خاصی تیز ہونے کے باوجود قابلِ قدر معیاری کام کم ہی ہوئے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں میں طلبا اور اساتذہ کے ہاتھوں اس فن کی جو مٹی پلید ہوئی ہے اسے دیکھ کر خوشی کم اور افسوس زیادہ ہوتا ہے۔

بیسویں صدی کے محققین نے اتنے اہم اور یادگار کارنامے سرانجام دیئے جنھیں دیکھ کر اہلِ ادب عش عش کرتے ہیں لیکن اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ بیش تر اہم موضوعات کے تحقیقی امکانات کو بروئے کار لاچکے ہیں جس کے نتیجے میں بعد میں آنے والی نسل کے محققین کے لیے زیادہ کچھ کر دکھانے کو نہیں رہ گیا یا یوں کہیے کہ آگے مراحل دشوار تر ہوگئے۔ لیکن جیسا کہ عموماً کہا جاتا ہے کہ تحقیق میں کہیں حرفِ آخر نہیں ہوتا کہ حرفِ آخر سے آگے بھی کچھ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی اس حرفِ آخر سے آگے کے تحقیق نگار ہیں جنھوں نے اپنے ذوق وجستجو کے بل بوتے پر گزشتہ چند برسوں میں یکے بعد دیگرے کئی کتابیں پیش کر کے تحقیق کے میدان میں اپنے لیے جگہ بنالی ہے۔ میر انیس، مرزا دبیر، انشاء اللہ خاں انشاء اور اقبال ان کی تحقیق کے خصوصی محور رہے ہیں۔ ''کائناتِ نجم'' کی ترتیب وتدوین ان کا تازہ ترین کارنامہ ہے۔ علاوہ ازیں رباعیات دبیر اور فانی بدایونی پر ابھی وہ کام کر رہے ہیں۔

انشاء اللہ خاں انشاء کے روزنامچے کے اردو ترجمے کے ذریعے میرے استاد محترم ڈاکٹر سید نعیم الدین نے چند نئے حقائق پیش کیے تھے۔ عابد پشاوری نے انشاء پر مزید تحقیق کر کے گویا مضامینِ نو کے انبار لگادئے اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب انشاء پر مزید کام کی گنجائش نہیں رہی لیکن سید تقی عابدی کی کتاب چند نئے حقائق لے کر منظرِ عام پر آئی۔ اسی طرح میر انیس اور مرزا دبیر پر بھی اتنا کچھ لکھا جاچکا تھا کہ لگتا تھا اب ان موضوعات پر تحقیق کے نئے دروازے نہیں کھلنے والے لیکن تقی عابدی نے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔

بالخصوص دبیر اور کلام دبیر سے متعلق ان کی پانچ چھ کتابیں پچھلے برس منظر عام پر آئیں تو تحقیق کے نئے افق روشن ہو گئے۔ ان میں دبیر سے متعلق تصانیف میں ''مثنویاتِ دبیر'' اور ''ابواب المصائب'' بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ مرزا دبیر کو عموماً مرثیہ نگاری تک محدود کر دیا گیا ہے اردو کے بیشتر اہم محققین ان مثنویوں کے وجود سے ناواقف رہے ہیں۔ بس معدودے چند نے ہی ان کی دو تین مثنویوں کا ذکر کیا ہے باقی نے ان کی مثنویوں سے صرف نظر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس معاملے میں ادبی تاریخیں بھی مثنوی نگار دبیر کو نظر انداز کر گئیں لیکن سید تقی عابدی نے اپنی مرتبہ کتاب ''مثنویاتِ دبیر'' میں ان کی چھوٹی بڑی آٹھ مثنویاں شائع کر کے دبیر کو اردو کے اہم مثنوی نگار شعراء کی صف میں لا کھڑا کیا ہے جن میں دفتر ماتم کی جلد ۱۵ سے ماخوذ ۳۳۱۶ اشعار پر مشتمل مثنوی احسن القصص کا مکمل متن مع لغات شامل ہے اور بخط دبیر ۵۱۸ اشعار پر مشتمل ایک بے عنوان نایاب مثنوی کا مکمل مخطوطہ بھی شامل ہے۔

اس مثنوی کی نشاندہی سب سے پہلے محمد زماں آزردہ نے کی تھی۔ تقی عابدی کے مطابق ''اس مثنوی کا پورا مخطوطہ آغا گوہر دبیر فرزند مرزا صادق مرحوم سے حاصل ہوا اور ہماری تحقیق اور دبیر مرحوم کے مستند کاغذات سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ مثنوی دبیر ہی کے خط سے لکھی گئی جس پر دبیر نے نظر ثانی بھی کی اور چند مصرعوں میں تبدیلی اور چند اشعار کو قطع بھی کر دیا ہے''۔

اسی طرح مرزا دبیر کی ایک اہم کتاب ''ابواب المصائب'' ہے۔ یہ ان کی واحد نثری تصنیف ہے جو وقت اور حالات کی ستم ظریفی سے کچھ اس طرح نظر انداز ہوئی کہ اردو ادب کی تاریخوں اور نثری ادب پر رقم کی گئی اہم ترین کتابوں تک میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا جب کہ رجب علی بیگ سرور کے ''فسانۂ عجائب'' کے بعد یہ لکھنوی نثر کی دوسری اہم کڑی ہے جسے غالباً مذہبی کتاب سمجھ کر عرصہ دراز تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے افضل حسین ثابت، محمد زماں آزردہ، اکبر حیدری کشمیری، سید صفدر حسین اور ذاکر حسین فاروقی وغیرہ نے ''ابواب المصائب'' کا ذکر کیا ہے۔ ابواب المصائب چھ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر بات میں پانچ پانچ فصلوں کا التزام رکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں مرزا دبیر نے سورۂ یوسف کی تشریح کرتے ہوئے ان کے مصائب کا موازنہ حضرت حسین اور اہل بیت کے مصائب کے ساتھ کیا۔ معروف ماہر دکنیات سیدہ جعفری کی مرتبہ کتاب ''یوسف زلیخا'' میں بھی ''ابواب المصائب'' کا قدرے تفصیلی ذکر ملتا ہے۔

دبیریات ہی کے سلسلے کی ایک اور اہم کتاب ''رباعیاتِ دبیر'' ہے جس پر تقی عابدی ان دنوں کام کر رہے ہیں۔ یہ کتاب مرزا دبیر کی ۱۲۰۰ سے زائد رباعیات پر مشتمل ہے جن کے یکجا ہونے اور کتابی صورت میں منظر عام پر آنے کے بعد بلاشبہ مرزا دبیر کو ایک اہم ترین رباعی گو شاعر کی حیثیت سے بھی دیکھا جا سکے گا۔ سید تقی عابدی کی ان کتابوں کے بعد اردو ادب کی تاریخ میں مرزا دبیر کو ایک بڑے مرثیہ گو شاعری کے علاوہ ایک اہم مثنوی نگار ایک اہم نثر نگار اور ایک اہم رباعی گو شاعر کی حیثیت سے بھی وہ مرتبہ حاصل ہونے کی توقع ہے جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں۔

''پیہم موجِ امکانی، اگلا پانو نئے پانی میں'' کے بمصداق سید تقی عابدی کی مرتبہ تازہ ترین کتاب ''کائناتِ نجم'' ہے جس میں انہوں نے بڑی محنت، لگن اور خلوص کے

ساتھ نجم آفندی کی حیات، شخصیت، اور فنِ شاعری پر لکھے ہوئے دیگر قلمکاروں کے مضامین بھی شامل کیے ہیں۔

''کائنات نجم'' میں نجم آفندی کے تین مرثیے (فتح مبین، معراج فکر اور ایک غیر مطبوعہ مرثیہ) شامل ہیں۔ ان میں سب سے طویل مرثیہ ''معراج فکر ہے جو رضا کار بکڈپو، لاہور اور پھر سرفراز پریس سے کتابی شکل میں شائع ہوا تھا اس کا مقدمہ ممتاز ترقی پسند ناقد سید احتشام حسین نے لکھا ہے۔ ''کائنات نجم'' میں نجم آفندی کے نثری رشحاتِ قلم بھی ہیں۔ ان میں نفس اللہ، حسین اور ہندوستان کا سمبندھ، اور لغات المذہب، خاصے کی چیزیں سہی تاہم محمد احسن فاروقی کے اس قول سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا ہے کہ نثر میں جو کچھ بھی وہ چھوڑ گئے ہیں وہ آگے آنے والوں کیلئے مشعلِ راہ ہے۔

سید تقی عابدی نے اس کتاب میں شامل اپنے ایک مضمون میں نجم آفندی کی شاعری سے کئی مثالیں پیش کر کے انہیں سرمایہ داری جبر کے خلاف احتجاج کی پہلی آواز قرار دیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق نجم آفندی نے اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک کے آغاز سے قبل کسانوں مزدوروں اور سماج کے دبے کچلے افراد کے بنیادی مسائل کو اپنی شاعری میں پیش کیا تھا لیکن ترقی پسند ناقدین انہیں مسلسل نظر انداز کرتے رہے ہیں۔

امید ہے کہ سید تقی عابدی کی یہ کتاب نجم آفندی کے تعین قدر میں اہم کردار ادا کرے گی اور انہیں نہ صرف عزائی ادب میں بلکہ بیسویں صدی کے اہم رباعی گو اور قطعات نگار شعرا کی صف میں بھی ان کا صحیح مقام و منصب دلانے میں معاون ثابت ہوگی۔

•••

دہلی میں منعقدہ ''کائنات نجم'' کی رسم اجراء کی تقریب میں پروفیسر قمر رئیس، پروفیسر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر تقی عابدی، خواجہ حسن ثانی نظامی اور سید محمود نقوی